تحقیق و تنقید

جناب عبدالرؤف ظفر

آخری قسط

معراج النبیؐ پر کیے گئے اعتراضات کا علمی جائزہ

معراج النبیؐ کی تاریخ میں دشواری کا سبب یہ ہے کہ ہجرت سے قبل سن اور تاریخ نہیں تھے، قرآنِ مجید میں لیلاً کا لفظ ہے، گویا رات کو ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اور یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ ہجرت سے قبل یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا۔ قاضی سلیمان منصور پوریؒ نے آں حضرتؐ کی ۲۳ سالہ سیرتِ مبارکہ کی جنتری تیار کی ہے جس کے مطابق ۵۱ھ ولادتِ نبویؐ ۲۷ رجب کو شبِ معراج ہوئی۔ ۲۷ رجب کے بعد طلوع ہونے والا دن بدھ تھا۔ اس لحاظ سے بدھ کی شب، ۲۷ رجب ۵۲ سنہ ولادتِ نبویؐ شبِ معراج ہوئی۔

(رحمۃ للعالمین ج ۲ ص ۱۲۶)

دراصل اس دور میں لوگ اس قسم کے دنوں کو مناتے نہیں تھے کہ ان کو ذہن میں رکھتے بلکہ اصل تحفہ جو اس رات ملا، اس کو کسی نے نہ چھوڑا، یعنی نماز۔

ایک اور چیز جس کا ذکر ضروری ہے وہ یہ ہے کہ کسی چیز کے وقوع میں اختلاف سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ سرے سے اس چیز کا ہی انکار کر دیا جائے۔ حالانکہ اگر مختلف لوگ مختلف انداز میں کسی چیز کے متعلق بات کریں تو یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اس کا اصل موجود ہے جس کے متعلق اختلاف ہوا ہے، ورنہ اگر اصل ہی نہ ہوتی تو تاریخ میں اختلاف کیسا؟ اور اگر تاریخ میں اختلاف کی بناء پر اصل کا انکار ہو سکتا ہے تو نہ آں حضرتؐ کی ولادت ثابت ہوگی اور نہ ہجرت! مثلاً ہمارے ملک میں علامہ اقبال کی تاریخ پیدائش کے متعلق کئی سالوں بعد اب یہ تحقیق ہوئی ہے کہ یہ ۹ نومبر ۱۸۷۷ء

ہے۔ پہلے کوئی اور تاریخ تھی لیکن رضوانی صاحب نے علامہ صاحب کی پیدائش کا انکار نہیں کیا۔ پس معراج کی تاریخ کی بجائے مقاصد پر غور کریں!

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا،
غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے!

۷۔ آں حضرتؐ معراج کے وقت کس جگہ سکون پذیر تھے؟ یہ کوئی ایسی سوچنے کی بات نہیں۔ اصل مقصد تو آپؐ کا تشریف لے جانا ہے۔ بلا شبہ آپؐ تشریف لے گئے۔ صحیحین کی روایات کے مطابق آپؐ کعبہ میں محوِ استراحت تھے۔ (بخاری جلد اول ص۵۰)

بخاری و مسلم کی ایک روایت حضرت ابو ذر غفاریؓ سے ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

"میں مکہ میں تھا، میرے گھر کی چھت کھولی گئی اور جبرائیلؑ آئے"۔

(بخاری جلد اول ص ۵۰)

مولانا سلیمان ندویؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

"ہمارے نزدیک اس کی صحیح تعبیر یہ ہے کہ آپؐ خانہ کعبہ میں آرام فرما تھے، لیکن آپؐ کو مشاہدہ یہ کرایا گیا کہ آپؐ اپنے گھر میں ہیں۔ اس کی چھت کھلی جبرائیلؑ آئے!" (سیرت النبیؐ ج ۳ ص ۳۱۱)

اگر گھر کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو یہ خلافِ حدیث نہیں کہ گھر سے جبرائیلؑ آنحضرتؐ کو خانہ کعبہ میں لے گئے، وہاں شقِ صدر ہوا اور پھر عالمِ بیداری میں آپؐ نے بیت المقدس اور آسمانوں کو دیکھا۔ اس سے بھی واقعہ معراج کا انکار ثابت نہیں ہوتا۔ جزئیات میں اختلاف کی بناء پر اصل چیز کو کالعدم قرار نہیں دیا جا سکتا۔

۸۔ صحیحین کی روایات اور دیگر مستند احادیث کے مطابق آں حضرتؐ کا شقِ صدر دو دفعہ ہوا، ایک دفعہ معراج سے قبل اور ایک دفعہ بچپن میں۔ معراج میں بھی اگر شقِ صدر ہوا تو اس سے پہلے واقعہ کا انکار ثابت نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آں حضرتؐ کے پاس جبرائیلؑ آئے جبکہ آپؐ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، انہوں نے آں حضرتؐ کو پکڑ کر لٹایا، سینہ شق کیا اور دل نکالا۔ اس سے خون کا لوتھڑا نکالا اور کہا:

"هٰذَا حَظُّ الشَّيْطَانِ مِنْكَ"، "یہ آپ سے شیطان کا حصہ ہے" پھر سونے کے تھال میں رکھ کر اسے زمزم کے پانی سے دھویا اور اسے اس کی جگہ پر رکھ کر زخم کو

درست کر دیا۔ (حضرت انسؓ نے زخم کے سینے کا نشان آنحضرتؐ کے سینہ مبارک میں دیکھا) بچوں نے جا کر یہ واقعہ اپنی ماں (دایہ) کو بتایا۔ وہ آئیں تو آں حضرتؐ کا رنگ تبدیل تھا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۲)

دوسری روایت اس طرح سے ہے، آں حضرتؐ نے ارشاد فرمایا:

"جبریلؑ نے میرے پاس آ کر سینے میں شگاف کیا، پھر اس کو زمزم کے پانی سے دھویا، پھر سونے کے ایک تھال کو، جو حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا تھا، میرے سینے میں ڈال دیا۔" (مسلم ج ۱ ص ۱۱۲)

یہ واقعہ دو دفعہ ہوا اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ آپؐ بچپن میں شیطان کے ہر حملہ سے محفوظ کر دیے گئے اور آپؐ کا سینہ علم و حکمت سے بھر دیا گیا۔ آپؐ کے دل میں غیر اللہ کا خیال پہلے ہی نہ تھا لیکن اب تصور بھی نہ رہا ؎

تا خانۂ دل خالی از اغیار نیابی
بام و در ایں خانہ پُر از یار نیابی

۹۔ مسجد اقصیٰ کا وجود قرآن مجید سے ثابت ہے جس پر بحث کی کوئی ضرورت نہیں۔ محدثین کی صحیح روایات کے مطابق یہ یروشلم میں واقع ہے۔ معراج کے وقت مسجد نبویؐ کا وجود ہی نہیں تھا تو اُس کے ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی اور بعد میں بھی کبھی مسجد نبویؐ کو مسجد اقصیٰ نہ کہا گیا بلکہ صحیح روایات میں جن ایسی تین جگہوں کا ذکر ہے جہاں پر ثواب زیادہ ملتا ہے، ان میں مسجد نبویؐ کے ساتھ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کا بھی ذکر ہے۔
(مشکوٰۃ ص ۲، باب المساجد)

جہاں تک اس کے منہدم ہونے اور معراج النبیؐ کے وقت موجود نہ ہونے کا تعلق ہے، اس کے متعلق مولانا عبدالحق محدث دہلوی نے بڑی تحقیق سے بیت المقدس کی پوری تاریخ لکھی ہے اور حاشیہ پر یہ لکھا ہے:

"مسجد اقصیٰ، بیت المقدس۔ یہ انبیاء سابقین کا قبلہ ہے۔ یہ مسجد جس کو اہل کتاب ہیکل کہتے ہیں، ملک فلسطین کے شہر یروشلم میں حضرت سلیمانؑ نے حضرت موسیٰؑ سے تخمیناً پانچ سو برس بعد تعمیر کی تھی، اس پر بنی اسرائیل کی شرارت اور بدکاری سے کئی بار صدمے آئے۔ گرائی گئی اور پھر بنی۔ آں حضرتؐ کے عہد میں

شہزادۂ روم طیطس (TITUS) کی گرائی ہوئی مسجد کا ایک ڈھیر پڑا تھا۔ مسجد اسی کا نام ہے نہ عمارت کا۔ کیونکہ عمارت بدلتی رہتی ہے مسجد نہیں بدلتی، مگر اس کے پاس عیسائیوں نے مذہبی عمارت تعمیر کرا رکھی تھی۔ اس زمانہ میں اس کو بیت المقدس اور مسجدِ اقصیٰ کہتے تھے جس کے نشان آں حضرتؐ نے قریش کے پوچھنے پر بتائے۔" (تفسیر حقانی ج ۵ ص ۴۵)

پورے مکہ کو بھی مسجدِ حرام کہا جاتا ہے، جیسا کہ جامع البیان میں ہے:

"وَيُطْلَقُ عَلٰى مَكَّةَ كُلِّهَا الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ۔"

(جامع البیان ج ۱ ص ۳۹۲)

پورے مکہ پر مسجدِ حرام کا اطلاق ہوتا ہے۔"

اگر پورے مکہ کو مسجدِ حرام کہہ سکتے ہیں تو عیسائیوں کی اس دور میں موجود اس مقام پر مذہبی عمارت کو مسجدِ اقصیٰ کہنے میں کوئی قباحت نہ تھی۔ کسی صحیح روایت میں مسجدِ نبویؐ کو مسجدِ اقصیٰ نہیں کہا گیا اور نہ ہی مسجدِ اقصیٰ کا مقام جنت میں بتایا گیا ہے۔ رضوانی صاحب ہر گری پڑی چیز کو اٹھا کر محدثین کے نام تھوپنے میں مہارتِ تامہ رکھتے ہیں۔

۱۰۔ رضوانی صاحب نے حدیث کے ترجمہ میں غلطی کی ہے "سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ" کا ترجمہ "سات ہزار فرشتے" کیا، جبکہ یہ ستّر ہزار ہے۔ کتبِ احادیث میں الفاظ دیکھے جا سکتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے:

وَاِذَا هُوَ يَدْخُلُهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ لَا يَعُوْدُوْنَ اِلَيْهِ۔" (ج ۱ ص ۱۱۱)

"اس میں ہر روز ستّر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، پھر اس کی طرف لوٹتے نہیں ہیں (یعنی ان کی باری پھر نہیں آتی)"

اسی طرح اللہ تعالیٰ سے ستّر ہزار باتیں کرنے کا لکھا ہے، حالانکہ کسی حدیث کی کتاب میں اس کا وجود نہیں بلکہ وصفی جملہ ہے۔ آں حضرتؐ کے نام جھوٹی بات منسوب کرنے پر آں حضرتؐ نے بہت سخت وعید سنائی ہے، فرمایا:

"مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔"

(بخاری ج ۱ ص ۱۱۳)

"جس آدمی نے مجھ پر جھوٹ باندھا تو اسے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لینا چاہیے!"

پھر اس مقام پر حدیث کا ترجمہ بالکل غلط لکھا ہے۔ مضمون میں "پانچ یا پچاس برابر ہیں" لکھا ہے۔ حالانکہ حدیث کے لفظ یہ ہیں:

"فَهِيَ خَمْسٌ وَهِيَ خَمْسُوْنَ۔" (مسلم ج ۱ ص ۱۱۳)

کہ "وہ پانچ ہیں اور (ثواب میں) پچاس ہیں!"

دوسری حدیث میں اس کی وضاحت اس طرح سے ہے کہ ایک نیکی دس کے برابر ہے، لہٰذا پانچ نمازیں پچاس کے برابر ثواب میں ہوں گی۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے معراج کی پوری روایت ہے۔ پھر بعد ازاں نمازوں کی تعداد جب تخفیف کر کے پانچ کر دی گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"يَا مُحَمَّدُ إِنَّهُنَّ خَمْسُ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ، لِكُلِّ صَلٰوةٍ عَشْرٌ فَذَالِكَ خَمْسُوْنَ صَلٰوةً وَّمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهٗ حَسَنَةٌ فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ عَشْرًا۔" (ایضاً ص ۱۱۱)

"اے محمدؐ، یہ دن رات میں پانچ نمازیں ہیں۔ ہر نماز کا ثواب دس کے برابر ہے۔ اس طرح سے پچاس تصور ہوں گی اور جو نیکی کا ارادہ کرے لیکن نہ کر سکے تو اس کو ایک نیکی کا ثواب ملے گا اور اگر نیکی کر لی تو دس لکھی جائیں گی۔"

مطلب صاف واضح ہے، پھر فرشتوں کے متعلق وضاحت صحیح مسلم میں ہی آگے ہے چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ کی حدیث یہی ہے، آں حضرتؐ نے فرمایا:

"ثُمَّ رُفِعَ لِيَ الْبَيْتُ الْمَعْمُوْرُ فَقُلْتُ يَا جِبْرَائِيْلُ مَا هٰذَا؟ قَالَ هٰذَا بَيْتُ الْمَعْمُوْرِ يَدْخُلُهٗ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ إِذَا خَرَجُوْا مِنْهُ لَمْ يَعُوْدُوْا فِيْهِ اٰخِرُ۔"

(مسلم ج ۱ ص ۱۱)

پھر "میرے سامنے بیت المعمور بلند ہوا۔ میں نے کہا "جبرائیل یہ کیا ہے؟" جبرائیل نے کہا" یہ بیت المعمور ہے اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ جب وہ نکل جاتے ہیں تو پھر آخر تک واپس نہیں آتے۔" یعنی

"اُن کی باری نہیں آتی۔"

۱۱۔ فہمِ حدیث کے لیے سیاق و سباق کو مدِنظر رکھنا ضروری ہے لیکن یہاں اسے بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ پہلی بخاری شریف کی روایت میں امام بخاریؒ نے جس جگہ اس کو درج کیا، وہاں اس طرح سے باب باندھا گیا ہے:

"بَابُ صَلٰوةِ النِّسَآءِ مَعَ الرِّجَالِ فِي الْكُسُوْفِ!"

"کسوف میں عورتوں کی مردوں کے ساتھ نماز"

پھر حدیث میں ہے، سورج گرہن کی نماز پڑھا کر آں حضرتؐ نے یہ فرمایا:

"میں نے جنت اور دوزخ کو اس جگہ دیکھا!" الفاظ یہ ہیں:

"مَا مِنْ شَيْءٍ كُنْتُ لَمْ اَرَهُ اِلَّا وَقَدْ رَاَيْتُهُ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ" (بخاری ج ا ص ۱۴۴)

"کوئی چیز نہیں جو میں نے اس جگہ نہ دیکھی ہو، یہاں تک کہ جنت اور دوزخ بھی دیکھے!"

یہ روایت نماز کسوف کی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے آں حضرتؐ کو جو منظر دکھایا، اس میں معراج کا کوئی ذکر نہیں، نہ خواب کا ذکر ہے۔ لیکن صاحبِ مضمون نے معراج النبیؐ کو خواب یا افسانہ ثابت کرنے کے لیے اس کو بھی درج کر دیا، حالانکہ اہلِ علم جانتے ہیں کہ یہاں یہ استدلال کسی صورت بھی نہیں ہو سکتا۔

جامع ترمذی کی روایت میں صاف طور پر "فِي الْمَنَامِ" (نیند میں۔ جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۷۸) کے لفظ ہیں۔ مضمون میں بیان کردہ اور یہ روایت دونوں ہی حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہیں لیکن صاحبِ مضمون نے حدیث کو سمجھے بغیر یا اپنی مرضی سے تجاہلِ عارفانہ سے کام لے کر دُوسری طرف نظر ہی نہیں کی اور پھر دُوسری جگہ جامع الترمذی میں ہی حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ آں حضرتؐ نے فرمایا "اِنِّيْ نَعَسْتُ" مجھے اونگھ آئی"۔ پھر ایک اور روایت میں ہے جو مسند احمد میں حضرت معاذؓ سے بیان کی گئی ہے، آں حضرتؐ نے فرمایا:

"نَنَعِسْتُ فِيْ صَلٰوتِيْ حَتّٰى اسْتَيْقَظْتُ" (ج ۵ ص ۲۴۳)

"مجھے نماز میں اونگھ آئی، یہاں تک کہ میں بیدار ہوا"

گویا خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی۔

ان تمام روایات کو سیاق وسباق سے ملا کر پڑھنے سے ذرہ برابر بھی یہ الجھن باقی نہیں رہتی کہ یہ واقعہ خواب کا ہے۔

صاحبِ مضمون کو آں حضرتؐ کا جاگنا معلوم ہوا ہے لیکن دوبارہ اونگھنا نظر نہیں آیا واقعہ معراج مشاہدہ سے تعلق رکھتا ہے اور اس روایت میں خواب کا واقعہ ہے، ان کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔ ان دونوں حدیثوں سے معراج کا خواب کا واقعہ ہونا کسی طرح سے بھی ثابت نہیں ہوتا اور پھر ان دونوں حدیثوں کو کسی محدث نے بھی معراج کے ساتھ بیان نہیں کیا۔ حالانکہ محدثینؒ رضوانی صاحب سے بہر حال زیادہ فہم حدیث رکھتے ہیں۔

۱۲۔ پچاس نمازوں پر ہاں کرنے سے آں حضرتؐ نے عام آدمی کی کامن سنس سے بھی کام نہ لیا" — یہ اعتراض بجائے احادیث کو غلط ثابت کرنے کے خدا تعالیٰ کی ذات پر کرنا چاہیے تھا — کیا اللہ تعالیٰ کو علم نہیں تھا کہ ایک دن میں پچاس نمازیں ادا نہ ہو سکیں گی اور پھر بھی حکم دے دیا؟ فَمَا هُوَ جَوَابُكُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا"

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آں حضرتؐ نے رہنمائی حاصل کی تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ حضرت موسیٰؑ پہلے ان چیزوں کے تجربات کر چکے تھے چنانچہ حضرت موسیٰؑ کے لفظ یہ ہیں:

"فَارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا يُطِيقُونَ ذَٰلِكَ فَإِنِّي قَدْ بَلَوْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَخَبَرْتُهُمْ"

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۱۱)

"اپنے رب کے پاس لوٹ جائیں اور تخفیف کا سوال کریں، آپؐ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ بلاشبہ میں نے بنی اسرائیل کو آزمایا اور ان پر تجربہ کیا"

کسی معاملہ میں کسی اور سے راہنمائی حاصل کرنا عیب نہیں ہوتا اور نہ اس میں انسان کی توہین ہوتی ہے۔ آں حضرتؐ خود صحابہؓ سے مشورہ لیتے جیسا کہ مقدمہ ۸ میں گزر چکا ہے، چنانچہ جنگِ بدر کے قیدیوں کے متعلق آں حضرتؐ نے مشورہ لیا۔ (ابن کثیر ج ۲ ص ۳۲۵) اسی طرح جنگِ خندق میں حضرت سلمان فارسیؓ کی رائے کے مطابق مدینہ کے ارد گرد خندق

کھودی گئی (ایضاً ج ۴ ص ۹۵) دیگر کئی معاملات میں بھی آں حضرت ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ فرمایا۔ علاوہ ازیں قرآن مجید سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بعض معاملات میں حضرت موسیٰؑ کی راہنمائی ایک صالح شخص نے کی، اس نے کچھ کام ایسے کیے جو موسیٰؑ کی سمجھ میں نہ آتے اور آپؑ کے پوچھنے پر آخر میں اس نے کہا:

" ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا۔" (الکہف: ۸۲)

"یہ اس چیز کی اصل حقیقت ہے جس پر آپ صبر نہ کر سکے۔"

اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ صالح شخص موسیٰؑ پر بازی لے گیا۔ اسی طرح بعض جزئی معاملات میں ایک نبی کو دوسرے نبی پر فوقیت حاصل ہوتی ہے لیکن بحیثیتِ مجموعی حضرت محمد ﷺ تمام انبیاءؑ سے برتر نظر آتے ہیں۔ اس کی مثال اس طرح سے ہے جیسے طالبِ علم اقبال نے ۶۵۰/۱۰۰۰ نمبر حاصل کیے جبکہ نذیر نے ۵۸۰/۱۰۰۰ نمبر حاصل کیے لیکن انگریزی میں نذیر کے نمبر اقبال سے زیادہ ہیں تو فضیلت نذیر کی نہیں بلکہ اقبال کی ہے کیونکہ مجموعی طور پر اقبال کے نمبر زیادہ ہیں۔

حضرت موسیٰؑ نے اپنی الفت و محبت کی بناء پر اپنے تجربہ کو سامنے رکھ کر آں حضرت ﷺ کو نمازوں میں تخفیف کرانے کا مشورہ دیا تو اس سے آں حضرت ﷺ کی تحقیر کیسے ہو گئی؟ قرآن و حدیث میں کئی واقعات ایسے ہیں، جن میں حضرت محمد ﷺ سے سہو کا ہو جانا یا آپ ﷺ کا پریشان ہونا ثابت ہے اور آپ ﷺ کو بعد میں خدا تعالیٰ کے بتلانے پر یا کسی اور کے کہنے پر پتہ چلا چنانچہ آں حضرت ﷺ واقعۂ افک کے بارے میں کئی دن پریشان رہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۲۹۸) پھر یہ وحی نازل ہوئی:

"اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ"، (النور: ۱۱)

"بے شک وہ لوگ جنھوں نے طوفان برپا کیا ہے وہ تم میں سے ایک چھوٹا گروہ ہے!"

تو آں حضرت ﷺ کو اطمینان ہوا اور پریشانی دور ہوئی، اسی طرح نماز میں سہو کے واقعات ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ عصر کی نماز کی دو رکعت پڑھائیں، "ایک صحابی نے پوچھا:

"اَقُصِرَتِ الصَّلٰوةُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَمْ نَسِيْتَ"

"نماز کم ہو گئی یا آپ بھول گئے اے اللہ کے رسول؟"

آپؐ نے فرمایا:

"کُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ!"

"ان دونوں میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔"

تو انہوں نے کہا کوئی بات ہوئی ہے۔ پھر آں حضرتؐ نے صحابہؓ سے پوچھ کر باقی نماز پڑھائی اور سہو کے دو سجدے کیے۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۲۳) یہ آں حضرتؐ کی انسانی حیثیات ہیں۔ ان سے آپؐ کی عظمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اسی طرح حدیثِ شفاعت میں یہ ہے کہ جب آں حضرتؐ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے تو:

"ثُمَّ يَفْتَحُ اللهُ عَلَيَّ مِنْ مَحَامِدِهٖ وَحُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَيْهِ شَيْئًا لَمْ يَفْتَحْهُ عَلٰى اَحَدٍ قَبْلِيْ۔" (بخاری ج ۲ ص ۶۸۵)

"پھر اللہ تعالیٰ اپنے محامد اور بہترین تعریفیں مجھ پر واضح کر دیں گے جو مجھ سے پہلے کسی پر واضح نہ ہوئیں۔" گویا اس سے پہلے آپؐ کو بھی ان کا علم نہ ہو گا۔ اسی طرح اور کئی باتیں ہیں۔

غور کرنے سے ایک اور بات معلوم ہوتی ہے کہ پانچ نمازوں کے متعلق آں حضرتؐ نے خود تخفیف کا اس وجہ سے سوال نہ کیا کہ ذاتِ خداوندی کا ادب مانع تھا، چنانچہ اسی حدیث میں ہے، جب بار بار آں حضرتؐ کو موسیٰؑ واپس اللہ تعالیٰ کے پاس بھیجتے رہے حتیٰ کہ پانچ نمازوں کے رہ جانے پر آپؐ نے فرمایا:

"اِسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَبِّيْ" (بخاری ج ۱ ص ۵۱)

"(اب) مجھے اپنے رب سے حیاء آتی ہے۔"

انبیاءؑ ہمیشہ با ادب ہوتے ہیں اور اپنی اپنی امتوں کو آداب سکھانے کے لیے مبعوث ہوتے ہیں۔ قرآنِ مجید میں ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حضرت عیسیٰؑ سے فرمائیں گے:

"أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللهِ۔"

"اے عیسیٰ بن مریم کیا تم نے لوگوں سے یہ کہہ دیا تھا کہ خدا کے علاوہ مجھے اور میری والدہ کو بھی معبود بنا لو"

تو حضرت عیسیٰؑ کا جواب قرآن مجید نے اس طرح سے درج نہیں کیا کہ میں نے ایسا نہیں کہا بلکہ ادب سے جواب دیا:

"سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ - مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ" (المائدۃ: ۱۱۶، ۱۱۷)

"تو پاک ہے، میرے لیے یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا کہ میں ایسی بات کہہ دیتا جس کا مجھے کوئی حق ہی نہ تھا، اگر میں نے کہا ہوتا تو یقیناً تجھے اس کا علم ہوتا۔ تو جانتا ہے جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ تیرے دل میں ہے۔ بے شک تو ہی تو ہے پوشیدہ چیزوں کا خوب جاننے والا۔ میں نے ان سے کچھ بھی نہیں کہا تھا بجز اس کے، جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا، یہ کہ میرے اور اپنے پروردگار کی پرستش کیا کرو۔"

یہاں عیسیٰؑ نے ادب کے ایک ایک پہلو کا خیال رکھا ہے۔ اسی طرح حضرت ایوبؑ کی اٹھارہ سالہ بیماری کے بعد یہ دعاء مذکور ہے،

"وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ" (الانبیاء ۸۳)

"اور ایوبؑ جبکہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا "مجھ کو تکلیف پہنچ رہی ہے اور تو سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے!"

یہاں یہ نہیں فرمایا کہ مجھ کو فوراً شفا دے، نہ ہی کوئی جزع فزع کیا۔ حضرت یونسؑ جب مچھلی کے پیٹ میں گئے تو ان کی دعاء کے الفاظ یہ ہیں:

"لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ" (الانبیاء ۸۷)

"تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے (نقائص سے) بے شک میں ہی قصوروار ہوں۔"

یہاں آپؑ نے اس قید سے رہائی کا سوال نہیں کیا۔ انبیاءؑ بارگاہِ الٰہی کے آداب

ہم سے بہر لحاظ بہتر جانتے تھے۔ آں حضرتؐ نے ادب کے اس پہلو کو مدِ نظر رکھ کر خود پہلے سوال نہ کیا ہو تو کیا بعید ہے اور بعد ازاں حضرت موسیٰؑ کی ترغیب سے اس معاملہ میں بارگاہِ الٰہی میں سوال کیا ہو؟ ع

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں!

۱۳۔ مقدمہ میں یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ حدیثِ رسولؐ کے بغیر قرآنِ مجید کسی صورت میں سمجھ میں نہیں آسکتا، آں حضرتؐ نے اپنی زندگی میں صحابہؓ کرام کو نماز کی باقاعدہ جماعت کرائی۔ ان کے اوقات کے تعین کا پورا نقشہ احادیثِ نبویہ میں موجود ہے جن کا انکار کوئی آدمی مسلمان کہلا کر نہیں کر سکتا۔ تاہم چونکہ صاحبِ مضمون نے یہ لکھا ہے کہ نماز کے تعینِ اوقات کے بارے میں قرآن مجید میں کچھ نہیں ہے اس لیے بیان کیا جاتا ہے کہ بہت کچھ موجود ہے، حالانکہ اگر نہ ہوتا تو احادیث ہی اہلِ ایمان کے لیے کافی تھیں۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ان اوقات کا بھی بیان فرمایا ہے:

"اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا" (النساء: ۱۰۳)

"بے شک نماز ایمان والوں پر پابندیٔ وقت کے ساتھ فرض ہے۔"

اگر قرآنِ مجید میں پورا تعین وقت نہیں تو اس آیت کے لحاظ سے پابندیٔ وقت کیسے ہوگی؟ وہ حدیثِ رسولؐ ہی ہے جو اس پابندیٔ وقت کے متعلق آں حضرتؐ کی نمازوں کی صراحت کرتی ہے۔ محدثین نے آں حضرتؐ کی ہر نماز کے وقت کے متعلق بیان کیا ہے نمازوں کے اوقات کا ذکر قرآن مجید میں ہے بلکہ سورۃ اسراء میں موجود ہے جو کہ صاحبِ مضمون کو نظر نہیں آیا، ارشادِ ربانی ہے:

"اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا" (بنی اسرائیل: ۷۸)

"نماز ادا کیجئے آفتاب ڈھلنے سے رات کا اندھیرا ہونے تک، اور صبح کی نماز بھی، بے شک صبح کی نماز حضوری کا وقت ہے۔"

لفظ دلوک کے معنی جھکنے اور مائل ہونے کے ہیں۔ (لسان العرب ج ۱۰ ص ۴۲۸)

"دلوک الشمس" کے معنی وہی درست ہیں جو عرب لوگوں نے بیان کیے کیونکہ وہ اہلِ زبان ہیں۔ اس لفظ کا اطلاق تین اوقات یا آفتاب کی تین حالتوں پر ہوتا ہے، مقابل نکتہ نگاہ

سے ہٹ جانے پر اور غروب آفتاب پر۔ آیتِ قرآنی میں یہ ہے کہ "دلوک" (جھکاؤ) پر نماز پڑھو تو اس سے تینوں دلوکات پر ایک ایک نماز لازم آئی۔ پہلا ظہر کا وقت ہے دوسرا عصر کا وقت اور تیسرا مغرب کا وقت ہے۔ سورج کے ہر جھکاؤ (دلوک) پر اس (سورج) کی خدائی کی نفی اور اللہ تعالیٰ کے اقرار کے لیے ایک ایک نماز رکھی گئی۔ دلوک میں پہلی تینوں نمازوں کے اوقات بتائے گئے ہیں۔ چوتھی نماز "غَسَقِ اللَّيْلِ" (رات کی تاریکی) عشاء کی ہے۔ پانچویں نماز "قرآن الفجر" صبح کی نماز پڑھنا ہے۔

دلوک کے لفظ کی تشریح لغتِ عرب سے بیان کرنا مناسب ہے۔ دَلَكَتِ الشَّمْسُ تَدْلُكُ دُلُوْكًا، غَرَبَتْ، وَقِيْلَ اصْفَرَّتْ وَمَالَتْ لِلْغُرُوْبِ۔

(ایضاً ج ۱۰ ص ۴۲۷)

"آفتاب کا دلوک یعنی وہ غروب ہوا اور کہا گیا ہے کہ وہ زرد ہو گیا اور غروب کے لیے جھک گیا۔"

"رَوَى ابْنُ هَانِئٍ عَنِ الْأَخْفَشِ أَنَّهُ قَالَ دُلُوْكُ الشَّمْسِ مِنْ زَوَالِهَا إِلَى غُرُوْبِهَا!"

"ابن ہانی نے اخفش سے بیان کیا، اس نے کہا "دلوک الشمس" زوال سے غروب تک ہے۔"

یہ حوالہ بھی لسان العرب کے اسی صفحہ کا ہے۔ لغتِ عرب سے معلوم ہوا، آفتاب کے زوال سے غروب تک تین دلوک ہیں۔ زمانۂ جاہلیت کا ایک شعر ہے ؎

هٰذَا مُقَامُ قَدَمَيْ رِبَاحِ ذَبَّبَ حَتّٰى دَلَكَتْ بِرَاحِ!

"یہ وہ جگہ ہے جہاں لڑائی میں رباح کے دونوں قدم جمے تھے، اس نے دشمنوں سے اپنی عزت کی حفاظت کی، یہاں تک کہ سورج ہتھیلی سے جھک گیا۔"

معلوم ہوا کہ جاہل شعراء نے بھی اس کو جھکنے کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ ایک اور آیت تعینِ وقت کے متعلق یہ ہے:

"وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ! (طٰہٰ: ۱۳۰)

"اور اپنے پروردگار کی تسبیح کرتے رہیے حمد کے ساتھ، آفتاب کے طلوع سے

قبل اور اس کے غروب سے قبل اور اوقاتِ شب میں بھی تسبیح کیجئے اور دن کے اول و آخر میں"

آفتاب نکلنے سے قبل صبح کی نماز، غروب سے قبل عصر کی نماز اور رات کے کچھ حصہ میں عشاء، دن کے کناروں میں ظہر اور مغرب مراد ہیں۔ اطراف کا لفظ جمع ہے۔ اس بناء پر دن کے کم از کم تین کنارے ہونے چاہئیں کیونکہ دو کے لیے عربی زبان میں تثنیہ کا صیغہ ہوتا ہے۔ دن کے یا دو کنارے ہیں صبح اور شام یا تین۔ اگر درمیان کا اعتبار کیا جائے تو صبح، دوپہر اور شام۔ پہلی شق لی جائے تو صبح کا ذکر دوبارہ ہو گا اور ظہر غائب۔ دوسری لی جائے تو ظہر آجاتی ہے لیکن صبح دوبارہ۔ دن کے دو حصے ممتاز ہوتے ہیں، ایک صبح سے دوپہر تک، دوسرا دوپہر سے شام تک۔ اطراف سے ان ہی دونوں حصوں کے آخری کنارے یہاں مراد ہیں۔ پہلے کا آخری حصہ ظہر دوسرے کا آخری حصہ مغرب ہے۔ گویا اس آیت میں بھی پانچوں نمازوں کا ذکر ہے۔

ان دونوں آیتوں کے علاوہ قرآنِ مجید کی اور آیات بھی ہیں جن سے نمازوں کا تعین ہوتا ہے اور آں حضرتؐ نے قرآنِ مجید کی روشنی میں نماز پڑھائی، پھر اس پر صحابہ کرامؓ نے عمل کیا اور آج تک مسلمان اسی انداز سے پڑھتے چلے آرہے ہیں۔ آں حضرتؐ کا ہر فعل قرآن کی روشنی کے مطابق ہے اور آپؐ کا ہر ارشاد قرآنِ مجید کی وضاحت ہے۔

۱۴۔ صاحبِ مضمون نے کئی بار اس بات کو دہرایا ہے کہ واقعۂ معراج یہود کی اختراع ہے۔ ہم اس بات کو دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ آپؐ کی معراج ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔ جس کا ذکر قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے کیا اور آنحضرتؐ کی صحیح احادیث میں بھی ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ آں حضرتؐ کے معراج کو جسمانی ثابت کرنے سے مذہبِ یہود کو تقویت کیسے ملتی ہے؟ جبکہ اُن کے پیغمبر حضرت موسیٰؑ کو یہ مقام نصیب نہ ہوا محدثین نے پوری چھان بین سے احادیث درج کی ہیں۔ اگر کہیں خامی نظر آئی تو اس کو صاف بیان کر دیا۔ احادیثِ معراج میں ایسی کوئی کمی نہیں تھی کہ وُہ اس کا انکار کرتے۔ صحیحین اور دیگر کتبِ اربعہ میں کون سے راوی یہودی ہیں؟ جن کی طرف مضمون میں بار بار توجہ دلائی گئی ہے؟ واقعۂ معراج ۲۵ صحابہ کرامؓ سے صحاح ستّہ میں اور دیگر کتبِ احادیث میں مروی ہے۔ صحابہؓ سے آگے یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا، گویا متواتر ہے۔ پھر ان تمام

راویوں کے حالاتِ زندگی اسماء الرجال کی مستند کتابوں میں موجود ہیں۔ جہاں تک ان کتابوں میں یہود کے انبیاءؑ کے متعلق ذکر ہے، تو قرآن و حدیث میں کئی ایسی باتیں ہیں جنکی تصدیق ان کی کتابوں سے ہوتی ہے۔ کوئی چیز ہمارے مذہب میں (یعنی احادیثِ نبویؐ میں) ان کی نقل کی وجہ سے نہیں آئی بلکہ براہِ راست وحیٔ الٰہی سے ہمیں ملی ہے۔ اگر کوئی چیز قرآن یا حدیث میں ہو اور اُس کی تصدیق یہود و نصاریٰ کی تحریف شدہ کتابوں میں مل جاتے تو یہ بات مذہبِ اسلام کی مزید حقانیت ثابت کرتی ہے۔ اہلِ کتاب میں اور مسلمانوں میں کئی چیزیں مشترک ہیں، یہ الگ بات ہے کہ ان کی اصل کتابوں میں تحریف ہوگئی پھر بھی کئی چیزیں اپنی اصلی حالت میں موجود ہیں۔ توحید، رسالت اور آخرت کے تصورات ان کتابوں میں موجود ہیں اگرچہ ان کی اصل شکل توراۃ اور انجیل میں ناپید ہے۔ تاہم اشارے ملتے ہیں۔ اسی طرح آنحضورؐ کی صفات توراۃ میں موجود ہیں۔ قرآنِ مجید میں ہے:

"یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ" (البقرة ۱۴۶، الانعام ۲۰)

"وہ ان کو پہچانتے ہیں جس طرح کہ اپنے لڑکوں کو پہچانتے ہیں۔"

حضرت کعبؓ سے روایت ہے کہ جب اُن سے ابن عباسؓ نے سوال کیا کہ آنحضرتؐ کی صفت توراۃ میں آپ نے کیسے پائی ہے؟ تو حضرت کعبؓ نے کہا:

"نَجِدُهٗ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ یُوْلَدُ بِمَکَّةَ وَیُهَاجِرُ اِلٰی طَیْبَةَ وَیَکُوْنُ مُلْکُهٗ بِالشَّامِ وَلَیْسَ بِفَحَّاشٍ وَلَا صَخَّابٍ فِی الْاَسْوَاقِ۔" (سنن دارمی ج ۱ ص ۱۴)

"ہم پاتے ہیں محمدؐ بن عبداللہ مکہ میں پیدا ہوتے، طیبہ (مدینہ کا پرانا نام ہے) کو ہجرت کریں گے، ان کی حکومت شام تک ہوگی، نہ فحش کلام کریں گے نہ گلیوں میں شور مچائیں گے۔" یہ بھی حدیث ہے۔

اب اس کا یہ مطلب نہیں کہ چونکہ یہ صفتیں پہلی کتابوں میں موجود ہیں، لہٰذا ہم ان کا انکار کردیں۔ بلکہ قرآنِ مجید نے بعض معاملات کے متعلق آں حضرتؐ کی تصدیق کے لیے مشرکینِ عرب سے کہا:

"فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" (النحل ۴۳)

"اگر تم کو علم نہیں تو اہلِ علم سے پوچھ لو۔"

اہلِ علم کے متعلق جامع البیان میں ہے:

"اَهْلُ الْكِتَابِ مِنَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى۔" (ج ۱۴ ص ۱۰۹)

"یہود و نصاریٰ میں سے اہلِ کتاب مراد ہیں!"

جہاں تک آنحضرتؐ کا حضرت موسیٰؑ کا محتاج ہونا ہے اس شبہ کا جواب ان ہی احادیث میں موجود ہے۔ آنحضرتؐ نے بیت المقدس میں انبیاءؑ کی جماعت کرائی حضرت موسیٰؑ بھی مقتدیوں میں موجود تھے۔ پھر چھٹے آسمان پر آنحضورؐ کو دیکھ کر حضرت موسیٰؑ رونے لگے، پوچھنے پر انہوں نے فرمایا:

"اِنَّ غُلَامًا بُعِثَ بَعْدِیْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِهٖ اَكْثَرُ مَنْ يَّدْخُلُهَا مِنْ اُمَّتِیْ۔"

"یہ لڑکا میرے بعد مبعوث ہوا ہے لیکن اس کی امت میری امت سے زیادہ جنت میں داخل ہوگی۔"

ہم بطورِ جدل یہ جواب دیتے ہیں کہ ان احادیث سے اگر آں حضرتؐ، موسیٰؑ سے کمتر ثابت ہوتے ہیں تو محمدؐ تو انہیں چھٹے آسمان پر چھوڑ کر اس سے بھی آگے بڑھ گئے، اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ آں حضرتؐ بلاشبہ تمام انبیاءؑ سے بڑھ کر ہیں۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے، آنحضرتؐ نے فرمایا: "مجھے پانچ چیزیں ایسی ملی ہیں جو کسی اور نبی کو نہیں ملیں، مجھے ایک ماہ کی مسافت سے رعب کے ساتھ مدد دی گئی۔ روئے زمین کو ہمارے لیے مسجد اور طہارت کا سبب بنایا گیا کہ جہاں بھی میری امت میں سے کسی آدمی کو نماز کا وقت ہو جائے نماز پڑھ لے۔ مالِ غنیمت میرے لیے حلال کیا گیا۔ ہر نبی کو خاص اس کی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور مجھے تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہے اور مجھے شفاعت کرنے کی اجازت عنایت فرمائی جاتے گی۔ (ترمذی ج ۲ ص ۲۲۴)

دوسری حدیث میں شفاعت کی تشریح ہے جو حضرت ابوسعیدؓ سے مرفوعاً مروی ہے، کہ آدمؑ، نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام جواب دے دیں گے تو حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شفاعت کریں گے۔ آپؐ سجدہ میں گریں گے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

"اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَسَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ وَقُلْ تُسْمَعْ لِقَوْلِكَ۔" (ترمذی ص۱۶۵)

"اپنے سر کو اٹھائیں، جو سوال کریں، دیا جائے گا۔ شفاعت کریں، قبول کی جائے گی۔ آپ کہیں، آپ کی بات سنی جائے گی۔"

کئی احادیث میں آں حضرتؐ کی دیگر انبیاءؑ پر فضیلت کا ذکر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ آنحضرتؐ کے انتظار میں بیٹھے دیگر تمام انبیاءؑ کے فضائل کا ذکر کر رہے تھے۔ آں حضرتؐ تشریف لائے تو آپؐ نے تائید کی اور فرمایا:

"اَلَا وَاَنَا حَبِیْبُ اللّٰہِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ تَحْتَہٗ اٰدَمُ فَمَنْ دُوْنَہٗ وَلَا فَخْرَ"

(دارمی ج ۱ ص ۳۰، ترمذی ج ۲ ص ۲۲۴)

"خبردار میں اللہ کا حبیب ہوں اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں، حمد کا جھنڈا یوم حشر کو میرے ہاتھ میں ہوگا۔ آدمؑ اور ان کے علاوہ سب اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں!"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے، اللہ تعالیٰ نے محمدؐ کو انبیاءؑ پر اور اہل آسمان پر فضیلت دی۔ دیگر لوگوں نے پوچھا، "اے ابن عباسؓ! آسمان پر کس چیز سے فضیلت دی؟" فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اہل آسمان کو فرمایا:

"وَمَنْ یَّقُلْ مِنْھُمْ اِنِّیْٓ اِلٰہٌ مِّنْ دُوْنِہٖ فَذٰلِكَ نَجْزِیْہِ جَھَنَّمَ کَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ۔" (الانبیاء ۲۹)

"اور جو کوئی ان میں سے یہ کہہ بھی دے کہ میں بھی معبود ہوں اللہ کے سوا، سو اُسے ہم جہنم کی سزا دیں گے، ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔"

جبکہ محمدؐ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ۔" (الفتح: ۱-۲)

"بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی تاکہ اللہ آپ کی (سب)

اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دے۔"

پھر انہوں نے پوچھا، "انبیاءؑ پر کیسے فضیلت ہے"؟ تو حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ" (ابراهيم: ۴)

"اور ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اس کی زبان میں تاکہ وہ ان لوگوں پر (تعلیمات) کھول کر بیان کریں"

جبکہ اللہ تعالیٰ نے محمدؐ کے لیے فرمایا:

"وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ" (السبا: ۲۸)

"اور ہم نے تو آپؐ کو سارے ہی انسانوں کے لیے (پیغمبر بنا کر) بھیجا ہے"

"آپؐ کو جنّ اور انسانوں کی طرف بھیجا گیا" (دارمی ج ۱ ص ۱۳۰)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ توراۃ سے ایک ورق لے کر آں حضرتؐ کے پاس آئے اور بتا کر اس کو پڑھنے لگے، آنحضرتؐ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور آپؐ نے فرمایا:

"وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ بَدَا لَكُمْ مُوسَى فَاتَّبَعْتُمُوهُ وَتَرَكْتُمُونِي، لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ، وَلَوْ كَانَ حَيًّا وَأَدْرَكَ نُبُوَّتِي لَاتَّبَعَنِي".

(دارمی: ج ۱، ص ۹۵)

"اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے، اگر تمہارے پاس موسیٰ علیہ السلام آجائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی اتباع کرو تو سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ گے۔ اگر وہ زندہ ہوتے اور میری نبوّت کو پا لیتے تو ضرور میری اتباع کرتے۔"

اگر معراج کی احادیث کے ساتھ ان کو بھی ملا کر پڑھ لیا جائے تو ہر قسم کے شکوک و شبہات دُور ہو جائیں گے۔ آخر میں قرآنِ مجید کی آیت لکھی جاتی ہے جس میں تمام انبیاءؑ سے آں حضرتؐ کی نبوّت کا عہد عالمِ ارواح میں لیا گیا، اس لحاظ سے

آنحضرت ؐ کی عظمت و مقام پر غور کیا جا سکتا ہے :

" وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ " (آلِ عمران ۸۱)

اور (وہ وقت یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب و حکمت (کی قسم) سے دے دوں پھر تمہارے پاس کوئی رسولؐ اس کی تصدیق کرنے والا آئے، جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی نصرت کرنا۔" فرمایا، کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد قبول کرتے ہو؟" انہوں نے کہا "ہاں ہم اقرار کرتے ہیں!" فرمایا "تم گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں"

دورِ حاضرہ کا ایک نہایت اہم مسئلہ

خلافت و جمہوریت

مغربی جمہوریت موجودہ دور کا سب سے بڑا بت ہے جس کو گرائے بغیر نفاذِ اسلام ممکن نہیں کہ اسلامی نظامِ حیات سے اس کو دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، جبکہ ہم نفاذِ اسلام کے ساتھ ساتھ اس کو بھی گلے لگائے رکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ فاضل محترم مولانا عبدالرحمان کیلانی کے ترجمانِ کتاب و سنت اور حقیقت نگار قلم سے

قیمت ۱۵ روپے — مجلد ۱۸ روپے

ناشر: ادارہ محدث مجلس التحقیق الاسلامی - ۹۹ جے ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴